ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"جو وہ لکھیں گے جواب میں" از ڈاکٹر شعیب عتیق خان: تنقیدی جائزہ

"Jo wo Likhen Ge Jawab Mein" az Dr Shoaib Ateeq Khan : Tanqeedi Jaiza

Arif Rasheed
MPhil Urdu Scholar, Minhaj University, Lahore.
Email: sincedgk1998@gmail.com
Muhammad Ahmad Khan
PhD Urdu Scholar, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.
Email: ahmadkhanlound7@gmail.com
Adeel Ahmad
MPhil Urdu Scholar, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.
Email: orisonacademy01@gmail.com

Abstract

The present study critically examines Dr. Shoaib Ateeq Khan's book "Jo Woh Likhen Ge Jawab Mein" with particular emphasis on its literary, stylistic, thematic, and intellectual dimensions. The book represents a distinctive contribution to the tradition of Urdu letter writing, extending beyond conventional correspondence to encompass personal memories, emotional experiences, academic associations, friendship, and the changing realities of human relationships. Inspired by the classical tradition of Urdu correspondence, particularly the epistolary style associated with Mirza Ghalib, the author transforms personal letters into a meaningful literary and cultural document.

The study explores the two major phases of the author's narrative: student life and post-academic experiences. It highlights the portrayal of university life, intellectual companionship, financial hardships, youthful emotions, humour, and the gradual transformation of relationships under the influence of time and practical responsibilities. Particular attention is given to the author's expressive style, linguistic simplicity, classical elegance, visual imagery, humour, and psychological depth. The study also evaluates the artistic significance of the personal sketches, which bring the personalities of teachers, classmates, and friends to life through affectionate observation and realistic characterization.

Furthermore, the research investigates the emotional and intellectual dimensions of the correspondence, demonstrating how individual memories develop into collective experiences and how personal narratives acquire broader social and cultural significance. The critical analysis establishes that "Jo Woh Likhen Ge Jawab Mein" is not merely a collection of letters but a creative reconstruction of memory, friendship, academic life, and human relationships. The book thus occupies a distinctive position in contemporary Urdu prose and contributes a meaningful dimension to the literary tradition of Urdu letter writing.

Keywords: *Urdu Letter Writing, Dr. Shoaib Ateeq Khan, Epistolary Literature, Literary Criticism, Personal Memories, Friendship, Student Life, Narrative Technique, Personal Sketches, Urdu Prose.*

"ملخص"

زیر نظر مقالے میں ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں " کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مطالعے کا بنیادی مقصد کتاب کے ادبی، فکری، فنی، اسلوبیاتی اور موضوعاتی پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے اردو مکتوب نگاری کی روایت میں اس کی انفرادیت اور اہمیت کا تعین کرنا ہے۔ مذکورہ کتاب محض خطوط کا مجموعہ نہیں بلکہ ذاتی یادداشتوں، جذباتی تجربات، علمی و ادبی وابستگیوں، دوستی، رفاقت اور انسانی تعلقات کی ایک بامعنی تخلیقی دستاویز ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کتاب میں مصنف نے اپنی طالب علمی کے زمانے، جامعہ ملتان کے علمی و ادبی ماحول، اساتذہ اور ہم جماعتوں سے وابستہ یادوں، معاشی مشکلات، نوجوانی کے جذبات اور دوستانہ تعلقات کو نہایت دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب کے دو بنیادی حصوں میں ایک طرف تعلیمی زندگی کی سرگرمیاں اور دوسری طرف تعلیم کے بعد عملی زندگی کے تجربات، معاشی مسائل، جدائی، وقت کے تغیرات اور تعلقات کی تبدیلیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس طرح مصنف نے انفرادی یادوں کو اجتماعی تجربات اور معاشرتی شعور سے مربوط کر دیا ہے۔ مقالے میں کتاب کے اسلوب اور زبان کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، جس میں سادگی، روانی، کلاسیکی چاشنی، شگفتگی، مزاح، منظر نگاری اور جذباتی اثر آفرینی نمایاں خصوصیات کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ مزید برآں، کتاب میں شامل شخصی خاکوں، کردار نگاری، حقیقت نگاری اور فکری و جذباتی مکالمے کی فنی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے کرداروں کو محبت، خلوص اور باریک بینی سے پیش کرتے ہوئے انہیں ادبی و تہذیبی یادداشت کا حصہ بنایا ہے۔ تحقیق کے مجموعی نتائج سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ "جو وہ لکھیں گے جواب میں " اردو مکتوب نگاری کی روایت میں ایک منفرد تخلیقی اضافہ ہے۔ یہ کتاب خطوط کے روایتی تصور سے آگے بڑھ کر یادداشت، رفاقت، انسانی نفسیات، تعلیمی زندگی اور تہذیبی شعور کی متعدد جہات کو اجاگر کرتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ تخلیق معاصر اردو نثر میں اپنی موضوعاتی ندرت، اسلوبیاتی انفرادیت اور فنی خصوصیات کے باعث خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

کلیدی الفاظ : اردو مکتوب نگاری، ڈاکٹر شعیب عتیق خان، جو وہ لکھیں گے جواب میں، تنقیدی جائزہ، ادبی روایت، یادداشت، دوستی و رفاقت، طالب علمی، شخصی خاکہ نگاری، اسلوب و زبان، حقیقت نگاری، جذباتی و فکری اظہار۔

☆تمہید

اردو میں مکتوب نگاری کی روایت قدیم بھی ہے اور ہمہ گیر بھی، لیکن جدید اردو مکتوب نگاری کو ادبی اظہار کی ایک باقاعدہ صنف کی حیثیت دینے میں اگر کسی شخصیت کا نام سرفہرست آتا ہے تو وہ مرزا غالب ہیں۔ ان کے خطوط نے نہ صرف مروجہ رسمی خط نویسی کو ترک کیا بلکہ مکالماتی انداز، ذاتی مشاہدات اور فکری سوالات سے اردو نثر کو ایک نیا وقار عطا کیا۔ شعیب عتیق خان کی تصنیف "جو وہ لکھیں گے جواب میں "کا عنوان قاری کو اردو مکتوب نگاری کی اس درخشاں روایت سے ہم آہنگ کر دیتا ہے، جس کی تشکیل میں غالب کے منفرد اسلوبِ بیان اور ندرتِ فکر نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس عنوان کی معنوی تہہ داری میں ایک ادبی اشارہ بھی پوشیدہ ہے، جو ذہن کو کلاسیکی اردو ادب کی ایک معروف شعری روایت کی جانب متوجہ کرتا ہے۔:

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں (1)

یہ عنوان صرف خراجِ تحسین نہیں بلکہ ایک فکری تسلسل کا اشارہ ہے—ایسا تسلسل جس میں مکتوب نگاری محض یادداشت یا رابطے کا وسیلہ نہیں بلکہ ذاتی، تخلیقی، اور فکری اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ "جو وہ لکھیں گے جواب میں " ایک مجموعہ مکاتیب کے طور پر سامنے آتا ہے، لیکن محض خطوط کا مجموعہ کہہ کر اس کتاب کی معنویت کو محدود کر دینا ممکن نہیں۔ خود شعیب کی تحریری تمہید، ان کے مشاہدات، ان کے دوستوں کے مخلصانہ خطوط اور شخصی خاکے اس کتاب کو طبع زاد حیثیت عطا کرتے ہیں۔

یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں نہ صرف تعلقات کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں بلکہ وقت کی دھند سے ڈھکی ہوئی یادیں، جذبات، اور فکری گتھیاں بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ شعیب کے اساتذہ، کلاس فیلوز، اور دوستوں کے خطوط نہ صرف ماضی کے قیمتی لمحات کی بازیافت کرتے ہیں بلکہ زندگی کے تسلسل، اس کی روانی اور اس کے بہاؤ کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔ جس طرح دریا، فنا اور زوال کی پروا کیے بغیر موج در موج بہتا چلا جاتا ہے، اسی طرح زندگی بھی تمام تر درد، حادثات اور محرومیوں کے باوجود رُکتی نہیں۔

یہ کتاب ہمیں زندگی کی ان گہری پرتوں تک لے جاتی ہے جہاں نہ صرف رفاقت کی روشنی ہے بلکہ خسارے کا اندھیرا بھی۔ ایک طرف یادوں کے خوشگوار لمحے ہیں تو دوسری جانب ان کے درمیان بکھرا ہوا درد اور دکھ کا عکس۔ شعیب کی تحریر میں کہیں کہیں ایسی ذاتی و اجتماعی کیفیات جھلکتی ہیں جو ہر حساس قاری کے دل کو چھو لیتی ہیں۔ وہ پل، جب انسان کے کاندھوں پر ذمہ داری، جدائی، یا دل شکستگی کا بوجھ آن پڑے، تو وہ اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اسے ڈھونے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے اور یہی حضرت انسان کا کمال ہے۔

یہ تعلق محض قلمی وابستگی تک محدود نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں فکر و احساس کی ایک طویل داستان کارفرما ہے، جس کے نقوش ماضی کے اُن ایام تک پھیلے ہوئے ہیں جب

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

1976ء میں نو قائم شدہ ملتان یونیورسٹی (موجودہ بہاءالدین زکریایونیورسٹی) کے شعبۂ اردو میں دوسرے تعلیمی سال کے دوران چند ذوقِ علم رکھنے والے نوجوان ادب کے قدیم داستانوی سرمائے سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ایک ہی علمی فضا میں جمع ہوئے۔ ان کے مطالعے کا محور "قصہ حسن ودل"، "قصہ گل بکاولی"، "قصہ نظیر وبدر منیر" اور "قصہ چہار درویش" جیسی داستانیں تھیں۔ یہ اجتماع بظاہر ادبی متون کے مطالعے کا وسیلہ تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس نے ایسی رفاقتوں کو جنم دیا جن کی اپنی ایک مستقل داستان وجود میں آگئی۔ ان نوجوانوں کی زندگیوں میں پیش آنے والے واقعات، تجربات اور حالات کی گردش کسی داستان کے مختلف ابواب سے کم نہیں۔ شعیب عتیق خان کی اس تصنیف میں اسی بیتے ہوئے عہد کی یادیں ایک نئے معنوی تناظر میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ یہ کتاب ماضی کی خوش گوار ساعتوں، بے لوث دوستیوں، باہمی محبت واعتماد اور زندگی کے نشیب وفراز کو اس انداز سے محفوظ کرتی ہے کہ ذاتی یادداشت اجتماعی تجربے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وصف اس تحریر کو محض یادوں کا مجموعہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے انسانی تعلقات کی معنویت اور گزرے ہوئے وقت کی بازیافت کا ایک مؤثر ادبی حوالہ بنا دیتا ہے۔

کمرہ جماعت کے سولہ نورتن:

شعیب عتیق خان کی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں "کا یہ پیراگراف نہ صرف ذاتی یادوں کی بازیافت ہے بلکہ اس میں نوجوانی کے خواب، فضا کی رومانویت، اور محبت کے ابتدائی تاثرات بھی موجود ہیں۔ وہ زمانہ جب رفاقتیں تازہ ہوتی ہیں، جب بے نام کششیں الفت کے روپ دھار لیتی ہیں اور جب تعلقات کا کوئی نام نہ ہوتے ہوئے بھی دل میں نرم گوشے بن جاتے ہیں۔ ابتدا میں وہ اس کلاس کا تعارف کرواتے ہیں جہاں کل سولہ نفوس، نو لڑکے اور سات لڑکیاں تھے۔ مگر یہ محض اعداد نہیں، یہ اس ماحول کا اجمالی خاکہ ہے جہاں تعلقات کے ابتدائی رنگ ابھرنے لگتے ہیں۔ ان نوجوانوں کا حال کچھ یوں تھا کہ:

"اس کلاس میں ملبوس تو بولتے تھے مگر زبانیں گنگ تھیں۔ ہاں کبھی کبھی حجاب میں چھپی سیاہ گہری آنکھیں باتیں کرتی تھیں تو کبھی نقرئی قہقہے بھی سنائی دے جاتے تھے۔"(2)

یہ جملہ نثر کی خوبصورتی، جذبات کی لطافت، اور مشاہدے کی باریکی کو یکجا کرتا ہے۔ خاموشی، شرم، اور غیر محسوس ابلاغ، یعنی نظروں کا پیغام دینا، اس دور کا خاصہ ہوتا ہے۔ زبانیں تو شاید گنگ رہیں، لیکن لباس کے رنگ، آنکھوں کی چمک، اور قہقہوں کی بازگشت نے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ شعیب اس زمانے کو ایک نیم رومانوی تخیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جہاں عاشقی کوئی معیوب عمل نہیں بلکہ نوجوانی کا ایک فطری اظہار ہے:

"کسی نہ لکھے ہوئے دستور کے مطابق عاشق نہ سہی، عاشقی کا بہروپ لینے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔"(3)

یہ جملہ طنز ومزاح کی لطیف جھلک کے ساتھ حقیقت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ وہ دور تھا جب ملبوسات کے رنگ باتیں کرتے تھے اور باتوں سے خوشبو آتی تھی۔ یہی وہ لمحے تھے جب:

"عاشق کے مست فقیر ہونے اور ہمہ وقت دل گیر ہونے میں کیا کسر رہ جاتی ہے۔"(4)

اس ماحول میں جذبات کی فراوانی تھی، مگر اظہار کی ممانعت بھی۔ اس تضاد نے ایک منفرد کشش پیدا کر دی تھی۔ شعیب ان دنوں کو "کیوپڈ کے تیر" سے تشبیہ دیتے ہیں—ایسا تیر جو بظاہر سب کے دل کو چھو رہا تھا:

"ان دنوں کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کیوپڈ کا تیر انہی نورتنوں کے لیے ایجاد ہوا تھا۔"(5)

مگر وقت کا جبر سب کچھ روندتا ہوا نکل گیا، اور جو کچھ اس وقت "محبت" کہلاتا تھا، وہ محض ایک وقتی جذبہ ثابت ہوا۔ ان نورتنوں کی حالت مزید دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے—کوئی شادی شدہ تھا جو اپنی بیوی یا بچوں کی تصویر جیب میں رکھتا، تو کوئی ایسا متوالا تھا جس کے سر پر بندھی پٹی اس کی ناکام محبت کی علامت بن چکی تھی:

"کچھ ایسے عشاق تھے جو وعدۂ فردا سے خوش ہو کر پوری زندگی صرف امید سے رہ کر بھی گزار سکتے تھے، اور کچھ ایسے تھے جو ہمہ وقت نزع کے سے عالم میں رہتے تھے۔"(6)

یہاں شعیب انسانی جذبات کے مختلف رنگ دکھاتے ہیں—بعض لوگوں کا عشق صرف تخیل میں پروان چڑھتا ہے اور بعض کے لیے عشق ایک دائمی اذیت بن جاتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ سب مل کر ایک ایسا "گروہ عاشقاں" بناتے ہیں جن کے جذبات کی شدت نے انہیں شاعری، نثر، اور یادوں کا سرمایہ بنا دیا۔

> "غرض ایک ایسا گروہ عاشقاں یک جا ہو گیا تھا جسے پیام نہ میسر ہوا تو خوب ہوا، اور زبان غیر سے شرحِ آرزو کرنے کے یہ قائل نہ تھے، اس لیے انہیں یہ آواز بلند آہیں بھرنے میں کوئی عار نہ تھا۔"(7)

شعیب عتیق نے اپنی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں، میں انہی وعدہ فردا پر تالے گئے عشاق کی داستانِ الم سنائی ہے۔ کتاب کا آغاز کس طرح یک جانہ ہوئے تھے کہ عنوان سے لکھی گئی تمہید سے ہوتا ہے۔ شعیب عقیق نے ان یاران اختیار عشاق کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

> "سب سے نحیف ونزار سید احمد فاروق مشہدی (مرحوم) تھے، تو اعتدال سے کہیں بھاری بھر کم راؤ محمد تسنیم (مرحوم) جسامت اور قامت کی طرح، ایک انتہائی سنجیدہ تو دوسرا ہنسوڑ، ہنستا تو مشہدی بھی تھا مگر صرف اسی پر اکتفا کرتا تھا کبھی ہنسانے کی کوشش نہیں کی، راؤ تسنیم کا ہر جملہ ہنسانے والا ہوتا تھا۔"(8)

کتاب کا پہلا حصہ (تعلیم کے شب وروز):

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب کا ابتدائی حصہ ان کے زمانۂ طالب علمی کے اُن دو برسوں کی یادداشتوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے ایم اے کی تعلیم کے دوران گزارے۔ یہ حصہ محض حصولِ علم کے مراحل کا بیان نہیں بلکہ اس عہد کے معاشی مسائل، تنگ دستی، حصولِ منزل کی تگ ودو، رفاقتوں کی استواری، باہمی رنجشوں اور قلبی تعلقات کی ایک دل نشیں عکاسی بھی کرتا ہے۔ مصنف خود بھی ان نو طلبہ میں شامل تھے جنہوں نے اس تعلیمی سفر میں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارا، تاہم اپنی ذات کو مرکزِ نگاہ بنانے کے بجائے انہوں نے اپنے ہم جماعتوں کے حالات، ان کے تجربات اور زندگی کے مختلف نشیب و فراز کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان کے طرزِ بیان میں ایک خاص وضع داری اور تہذیبی شائستگی نمایاں ہے، جس کے تحت وہ بعض ذاتی معاملات کو دانستہ طور پر صیغۂ راز میں رکھتے ہیں۔ اس رویے کی ایک مثال اُس ہم جماعت کا تذکرہ ہے جس کے ساتھ ان کے تعلقات میں ناخوش گواری پیدا ہوئی، مگر مصنف اس کا نام افشا کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور قارئین کو بھی اس کی شناخت سے بے نیاز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل ان کی طبیعت کی متانت، شخصی وقار اور دوسروں کی نجی زندگی کے احترام کا غماز ہے۔ یوں مصنف ماضی کی تلخ وشیریں یادوں کو قلم بند کرتے ہوئے بھی شخصی حدود اور اخلاقی آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں، جو اس تحریر کو محض یادداشت نگاری کے بجائے تہذیبی شعور کی حامل نثر کا درجہ عطا کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ ایک نہایت خوبصورت اور معنی خیز جملہ لکھتے ہیں کہ:

> "پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی عشق کا بار گراں اٹھایا جا سکتا ہے۔"(9)

یہ فقرہ اس دور کی جذباتی، معاشی اور ذہنی مشکلات کے باوجود عشق (خواہ وہ تعلیم سے ہو یا کسی فرد سے) کی شدت اور استقامت کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنف ایک نہایت سادہ، خوددار اور باہمی اشتراک پر مبنی طرزِ زندگی کی تصویر کھینچتے ہیں:

> "تمام دوست ہاسٹل کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا گھر سے آٹا لا کر خود ہی گوندھنا، پکانا اور سالن بنانا معمول تھا۔ یہ زندگی کی سختیاں تھیں، مگر ان میں ایک انوکھی دلچسپی، خودداری اور دوستی کی حرارت موجود تھی۔ تندور سے روٹیاں لینا اور ہوٹل پر کھانا کھانا اُس وقت ایک عیاشی تصور ہوتی تھی، جو صرف جیب کی اجازت سے ممکن تھی۔"(10)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

لسانیات اور مزاح:

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب میں ایک دلچسپ مشاہدہ لسانیات جیسے نسبتاً سنجیدہ اور پیچیدہ مضمون کے حوالے سے سامنے آتا ہے، جہاں مصنف نہایت سادگی سے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ خود اس مضمون کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہے۔ تاہم، وہ اس تعلیمی مرحلے کو یکسر بور یا غیر دلچسپ قرار دینے کے بجائے، اپنے ایک کلاس فیلو، راؤ تسنیم کی حسِ مزاح کو اس خشک علمی فضا میں تازگی کا سامان قرار دیتے ہیں۔ یہ اعتراف نہ صرف تعلیمی تجربات کی سچائی کو ابھارتا ہے بلکہ اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ علم و تحقیق کی دنیا میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ مزاح اور خوش مزاجی بھی فضا کو ہلکا اور قابلِ برداشت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ راؤ تسنیم کی بذلہ سنجی کی ایک مثال ہندوستانی زبانوں کے ناموں کو اپنی کلاس کی لڑکیوں سے منسوب کرنا ہے۔ انہوں نے "ماگدھی"، "اردماگدھی" اور "شورسنی" جیسی زبانوں کو فرضی طور پر طالبات کے ناموں کے طور پر استعمال کیا۔ یہ عمل محض مزاحیہ جملہ بازی نہیں بلکہ ایک گہرا ثقافتی اور تعلیمی رویہ بھی ہے، جس میں زبان، شناخت، اور شخصی خواص کو ایک طنزیہ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ طنز اپنی نوعیت میں لطیف ہے، جو کسی کی تضحیک یا تحقیر کے بجائے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے کیا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علمی فضا میں بھی غیر رسمی اور ظریفانہ انداز اپنا ایک مقام رکھتا ہے، جو نہ صرف یادگار بنتا ہے بلکہ سیکھنے کے عمل کو مزید موثر اور انسانی بناتا ہے۔

یہ ظریفانہ رویہ اس وقت کی تعلیمی فضا کی ایک نمائندہ جھلک بھی پیش کرتا ہے، جہاں استاد اور طالب علم، نصاب اور غیر نصابی مشاہدات، سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ لسانیات جیسے دقیق مضمون کے ساتھ یہ مزاح دراصل اس بات کی علامت ہے کہ علم صرف یادداشت یا معلومات کا ذخیرہ نہیں بلکہ انسانی تجربات، تعلقات اور مزاج کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ یہ پہلو اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ کلاس روم محض علم حاصل کرنے کی جگہ نہیں، بلکہ ایک سماجی اور ثقافتی فضا بھی ہوتا ہے، جہاں شخصیات کی انفرادیت، لسانی اظہاریہ، اور مزاح کے رنگ مل کر ایک متنوع تعلیمی تجربے کو جنم دیتے ہیں۔ راؤ تسنیم کی یہ ادبی چلبلاہٹ نہ صرف کلاس فضا کو رنگین بناتی ہے بلکہ مصنف کی نگاہ میں وہ مقام حاصل کر لیتی ہے کہ اس کی یاد، برسوں بعد تحریری صورت میں محفوظ ہو جاتی ہے۔

قافلۂ عشاق اور میر کی تقلید: مصنف

اپنے ساتھیوں کو "قافلہ عشاق" قرار دیتے ہیں—یعنی وہ لوگ جو عشق (علم، زندگی یا رومانوی تعلق) میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ سب میر کے دلدادہ تھے، جو بظاہر سادہ اور سہل پسند شاعر ہے، مگر اس کی سادگی بھی دراصل گہری معنویت رکھتی ہے۔ ان طلبہ کی زندگیوں میں بھی وہی میر والا جذبہ اور شدت تھی، اور وہ میر کے اس مشہور شعر پر عمل پیرا تھے:

عشق میں کیا کام ہے نازک مزاجی کے تئیں
کوہ کن کی طرح سے جی توڑ کر محنت کرو (11)

یہ شعر گویا اس تمام دور کی ترجمانی کرتا ہے—جہاں نہ صرف جذباتی تعلقات بلکہ تعلیم، غربت، اور زندگی سے نبرد آزما ہونے کے لیے سخت محنت اور استقامت درکار تھی۔

کتاب کا دوسرا حصہ (تعلیمی زندگی کے بعد):

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب کا دوسرا حصہ اس دور کا عکس ہے جب تعلیم کا رسمی سفر اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا اور عملی زندگی کے تلخ اور حقیقت پسندانہ تقاضے اپنے پورے وزن کے ساتھ ہر فرد پر عائد ہو چکے تھے۔ اس حصے میں نہ صرف وقت کے گزرنے کا نوحہ موجود ہے بلکہ تعلقات، رفاقتوں اور خوابوں کے ماند پڑ جانے کا ایک گہرا شعور بھی جھلکتا ہے۔ مصنف نہایت سادگی اور دردمندی سے بیان کرتے ہیں کہ:

"اب وہ لڑکیاں جو کسی زمانے میں رفاقت کا حصہ تھیں، اپنے گھروں کو لوٹ چکی تھیں—ان گھروں
میں جن کی دہلیز پر ان کی بوڑھی مائیں منتظر تھیں۔" (12)

یہ جملہ نہ صرف ایک معاشرتی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اس میں جذباتی شدت اور نسوانی تجربے کی جھلک بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ان لڑکیوں کا تعلیم یافتہ ہو کر واپس گھر لوٹ جانا، صرف ایک معمولی بات نہیں بلکہ ایک پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جو سماج کی مخصوص توقعات اور دائرۂ کار میں محصور ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تعلیم کے دوران پروان چڑھنے والی محبتیں، دوستیاں، قربتیں اور خواب، جنہوں نے دوسالہ تعلیمی زندگی کو رنگین بنایا تھا، وقت کے ساتھ اپنی چمک کھونے لگے:

"اب وہ 'عشق'، وہ 'جذبات'، اور وہ 'رفاقتیں'... وقت کے ساتھ ماند پڑنے لگیں۔"(13)

یہاں مصنف نہ صرف ایک جذباتی سچائی بیان کر رہے ہیں بلکہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وقت کے ساتھ ہر شے متغیر ہے—چاہے وہ محبت ہو یا یادیں، سب کچھ زندگی کے عملی تقاضوں کے سامنے مضمحل ہو جاتا ہے۔ اس حصے کا ایک اہم پہلو "خط و کتابت" کے ذریعے تعلقات کو قائم رکھنے کی کوشش ہے۔

مگر وہ بھی وقت کے ساتھ ماند پڑتی جاتی ہے:

"خط و کتابت کا تبادلہ جو کبھی زندگی کا جزو تھا، اب کم ہوتا جا رہا تھا۔"(14)

یہ صرف تحریری رابطے کی کمی کا تذکرہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے چھپے ربط کی تحلیل کا اقرار بھی ہے۔ مزید برآں، اس حصے میں معاشی زندگی کے تقاضوں کا غالب آجانا دکھایا گیا ہے:

"اب فکرِ معاش، نوکری کی تلاش، اور عملی زندگی کی تلخیاں ہر چیز پر غالب آنے لگی تھیں۔"(15)

یہ فقرہ محض ایک معاشی حقیقت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ان نفسیاتی و جذباتی پہلوؤں کی بھی نمائندگی کرتا ہے جو وقت کے ساتھ اہم تعلقات اور خوابوں کو پچھلے صفحے پر دھکیل دیتے ہیں۔ مصنف اس حقیقت کو نہایت دل گرفتگی سے بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کے بغیر جینا ناممکن لگتا تھا، اب ان کے بغیر ہی زندگی کو نئے سرے سے ترتیب دے دیا گیا ہے:

"ہر فرد نے، جن کے بغیر جینا ممکن نہ لگتا تھا، اب انہی کے بغیر نئی زندگی بنالی تھی۔"(16)

یہ اقتباس کتاب کے مرکزی تھیم کا عکاس ہے، وقت، تعلق اور تغیر۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں قاری بھی اپنے ماضی کی رفاقتوں، دوستیوں اور بچھڑنے والوں کی یاد میں کھو جاتا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ، اپنی تمام تر سادگی کے باوجود، زندگی کی اس کڑوی سچائی کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کرتا ہے کہ تعلیمی ادارے جہاں رفاقتیں بنتی ہیں، وہیں سے جدائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ زندگی کی بے رحم گردش میں بعض خواب، تعلقات اور وابستگیاں رفتہ رفتہ یادوں کے حصار میں محصور ہو جاتی ہیں۔ جن رشتوں کو کبھی انسانی وجود کا لازمی حوالہ سمجھا جاتا تھا، وقت کی مسافت انہیں ماضی کے نہاں خانوں میں منتقل کر دیتی ہے۔ زیرِ بحث تحریر میں یہی احساسِ زیاں ایک وسیع تر انسانی اور معاشرتی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ محض کسی ایک فرد کی بیتا ہوا وقت یاد کرنے کی کاوش نہیں، بلکہ ان مشترکہ جذبات کی ترجمانی بھی ہے جن سے ہر شخص اپنی زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر گزرتا ہے۔ اس کا مطالعہ قاری کو اپنے ماضی کی طرف مراجعت اور اُن تعلقات کی بازیافت پر آمادہ کرتا ہے جنہیں حالات کی گردش نے وقت کی گرد میں کہیں اوجھل کر دیا ہے۔

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی تصنیف "جو وہ لکھیں گے جواب میں" اپنی ہیئت اور موضوعاتی وسعت کے اعتبار سے محض خطوط کی یک جا صورت نہیں، بلکہ یادوں، احساسات، شخصی روابط، تہذیبی حوالوں اور تعلیمی تجربات کا ایک بامعنی ادبی مرقع ہے۔ اس تصنیف میں ماضی کے منتشر نقوش کو اس سلیقے سے یکجا کیا گیا ہے کہ انفرادی مشاہدات ایک اجتماعی تجربے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ خطوط کے ساتھ شخصی تذکروں، خاکہ نگاری اور تمہیدی مباحث کی شمولیت نے اس کی ادبی ساخت کو تنوع اور معنوی گہرائی عطا کی ہے۔

اگرچہ اس کتاب کی ظاہری تشکیل مکتوب نگاری کے سانچے میں ہوئی ہے، تاہم اس کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے خط کے روایتی دائرے کو وسیع کرتے ہوئے اسے اظہارِ ذات، یادداشت کی ترتیب اور انسانی تعلقات کی تفہیم کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس کے اوراق میں ذاتی زندگی کے واقعات کے ساتھ ایک عہد کی علمی فضا، معاشرتی رویے، تہذیبی اقدار اور جذباتی کیفیات بھی اپنی پوری معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ یہی تنوع اس تصنیف کو عام خطوط کے مجموعوں سے الگ شناخت عطا کرتا ہے۔

مصنف کا اسلوبِ نگارش اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان کے نزدیک خط صرف خیالات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں بلکہ احساسات کی تہذیبی تشکیل اور باہمی تعلقات کی معنوی توسیع کا ایک مؤثر وسیلہ بھی ہے۔ انہوں نے مختلف شخصیات سے وابستہ یادوں اور تجربات کو محض واقعاتی ترتیب میں محفوظ کرنے کے بجائے انہیں ادبی اظہار کی لطافت سے ہم آہنگ کیا ہے۔ چنانچہ کتاب کا ہر مکتوب اپنی انفرادی معنویت کے ساتھ ایک وسیع تر سماجی، علمی اور جذباتی پس منظر بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس طرح یہ تصنیف اردو

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مکتوب نگاری کی روایت میں یادداشت، خاکہ نگاری اور شخصی تجربے کے امتزاج سے ایک جداگانہ اسلوبیاتی شناخت قائم کرتی ہے۔ مصنف خود اس تصنیف کی نوعیت اور اس کے پس منظر کو یوں واضح کرتے ہیں:

"یہ محض خطوط کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ادبی تجربہ ہے، ایک نوحہ بھی اور ایک جشن بھی۔"(17)

یہ اقتباس اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ مذکورہ تصنیف میں یادوں کا بیان محض بیتے ہوئے واقعات کی بازگشت نہیں، بلکہ انسانی زندگی سے وابستہ متنوع احساسات اور تجربات کی ترجمانی بھی ہے۔ اس میں خوشی و مسرت، رنج والم، امید و یاس اور جدائی کے احساسات اس انداز سے جلوہ گر ہوتے ہیں کہ ماضی کے واقعات ایک زندہ جذباتی تجربے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ گویا مصنف نے یادداشت کو محض واقعات محفوظ کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ اس کے توسط سے انسانی نفسیات اور باہمی تعلقات کی مختلف جہات کو بھی اجاگر کیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں شامل تمہیدی تحریر بھی اپنی فکری اور فنی اہمیت کے باعث خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ یہ محض ابتدائی وضاحت یا رسمی دیباچہ نہیں، بلکہ پوری تصنیف کے فکری پس منظر، محرکات اور مقاصد کو سمجھنے کی کلید فراہم کرتی ہے۔ مصنف اس کے ذریعے اپنے مکتوبات کی تخلیقی ضرورت، ان کے پس پردہ کارفرما احساسات اور قارئین سے اپنی توقعات کو واضح کرتے ہیں۔ اس تمہید میں ذاتی تجربے کی ترجمانی کے ساتھ ایک منفرد تخلیقی شعور بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔

لہٰذا، "جو وہ لکھیں گے جواب میں " کو ایک محض خطوط کا ذخیرہ سمجھنا اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ یہ کتاب ایک ایسی بین المتنی تخلیق ہے جو ذاتی یادداشت، مشترکہ تجربات اور سماجی تبدیلیوں کو ایک مربوط بیانیے میں تبدیل کرتی ہے۔ اس میں موجود خطوط ذاتی ہونے کے باوجود ایک اجتماعی شعور کے عکاس ہیں، اور یہی وصف اسے اردو ادب میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

اسلوب اور زبان:

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی تصنیف "جو وہ لکھیں گے جواب میں" کا اسلوبیاتی مطالعہ ان کی ادبی افتادِ طبع، طرزِ اظہار اور زبان پر قدرت کو سمجھنے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ ان کی نثر میں سلاست، شگفتگی اور بے ساختگی کے ساتھ احساس و جذبے کی گہری آمیزش دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے خیالات کو غیر ضروری لفظی آرائش اور پیچیدہ تراکیب کا سہارا دیے بغیر اس خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں کہ تحریر میں فطری روانی برقرار رہتی ہے۔ ان کے ہاں سادہ طرزِ بیان محض اظہار کی سہولت نہیں بلکہ ایک شعوری اسلوبیاتی وصف ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو براہِ راست قاری کے احساسات تک منتقل کرتے ہیں۔

مصنف کی نثر میں کلاسیکی اردو ادب کی تہذیبی لطافت اور زبان و بیان کی دل آویزی کے آثار نمایاں ہیں۔ ان کے ہاں قدیم ادبی روایت کی شائستگی کے ساتھ عہدِ حاضر کے احساسات اور تجربات بھی پوری توانائی سے موجود ہیں۔ وہ ماضی کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے ایسی لفظیات اور طرزِ ادا اختیار کرتے ہیں جن میں یادوں کی حلاوت، جذبات کی نزاکت اور انسانی تعلقات کی گرم جوشی یکجا ہو جاتی ہے۔ ان کے جملوں کی ساخت میں تصنع کے بجائے فطری پن اور بے تکلفی پائی جاتی ہے، جب کہ اسلوب کی تہذیبی شائستگی تحریر کو ایک خاص وقار عطا کرتی ہے۔

شعیب عتیق خان کی نثر کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ وہ معمولی دکھائی دینے والے واقعات میں بھی غیر معمولی معنویت تلاش کرنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں ذاتی تجربہ محض انفرادی احساس بن کر نہیں رہتا بلکہ اس میں انسانی رشتوں، معاشرتی رویوں اور گزرے ہوئے زمانے کی کیفیات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں جذبات کی ترجمانی میں بناوٹ یا مبالغے کے بجائے خلوص اور داخلی صداقت کا احساس غالب رہتا ہے۔ مجموعی طور پر ان کا اسلوب کلاسیکی نثر کی لطافت اور جدید ذہن کی حساسیت کا ایک خوش گوار امتزاج ہے، جو اس تصنیف کو ادبی دل کشی، فکری معنویت اور اسلوبیاتی انفرادیت سے ہم کنار کرتا ہے۔۔ مثلاً ان کے جملوں کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

"خط تو محض ایک بہانہ ہے، اصل میں تو ہم خود کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے، یادوں کے ہجوم
سے، خاموش راتوں سے، اور ان لمحوں سے جو کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔"(18)

اس اقتباس میں سادہ زبان کے ساتھ ساتھ شدید جذباتی انسلاک اور خود کلامی کی کیفیت جھلکتی ہے، جو اسلوب کو نہ صرف منفرد بناتی ہے بلکہ قاری کو مصنف کی داخلی دنیا سے جوڑ دیتی ہے۔ شعیب عتیق کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جدید حسیت کے حامل ہیں۔ وہ ماضی کی روایت سے جڑے ضرور ہیں، مگر ان کے ہاں موضوعات،

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تاثرات،اور اظہار کے انداز میں ایک انفرادی اور موجودہ زمانے سے ہم آہنگ لہجہ نمایاں ہے۔ان کی نثر میں روایتی ادب کی لچکدار زبان کے ساتھ ساتھ جدید انسان کے کرب، بے سمتی، اور تنہائی کا بیان بھی موجود ہے۔اسلوب کی انفرادیت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ وہ بلا تکلف اور غیر تصنع کے ساتھ اپنے جذبات بیان کرتے ہیں۔ وہ مصنوعی الفاظ یا مرصع جملے استعمال نہیں کرتے، بلکہ روزمرہ کی زبان کو ایک ایسا رنگ دے دیتے ہیں جس سے وہ ادبی پیرایہ اختیار کر لیتی ہے۔اس خصوصیت کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ان کا اسلوب دل کی زبان ہے، جو ذہن کے بجائے روح سے مخاطب ہوتی ہے۔شعیب عتیق کی نثری تحریر اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ اس میں کلاسیکی نثر کا حسن، جذبات کی صداقت، اور جدید لب ولہجہ تینوں یکجا ہو گئے ہیں۔ان کی زبان صرف بیان کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک مکمل تجربہ ہے جو قاری کو نہ صرف سوچنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ یادداشت، جذبات، اور ذاتی مشاہدے سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔ان کا اسلوب اردو ادب میں ایک خالص اور دل سے نکلا ہوا اسلوب شمار کیا جا سکتا ہے، جو سادگی میں گہرائی اور نرمی میں تاثیر رکھتا ہے۔

موضوع کی ندرت:

اردو مکتوب نگاری کی عمومی روایت میں خطوط کا مطالعہ عموماً مکتوب نگار کی شخصیت، عہد کے حالات، علمی و ادبی مباحث یا سیاسی و سماجی معاملات کے حوالے سے کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر شعیب عتیق خان نے اپنی تصنیف "جو وہ لکھیں گے جواب میں "میں انسانی تعلقات، دوستانہ مراسم اور طالب علمی کے مشترکہ تجربات کو اظہار کا بنیادی موضوع بنایا ہے۔یہی موضوعاتی انفرادیت اس کتاب کو روایتی مکتوب نگاری سے ممتاز کرتی ہے اور اردو خطوط کے سرمایۂ ادب میں ایک نئے زاویۂ نظر کا اضافہ کرتی ہے۔

اس تصنیف میں شامل مکتوبات کا بنیادی حوالہ دوستی، رفاقت، تعلیمی زندگی اور باہمی جذباتی وابستگیاں ہیں۔ مصنف نے اپنے زمانۂ طالب علمی کے تجربات کو اس انداز سے محفوظ کیا ہے کہ انفرادی واقعات کے پس منظر میں ایک پورے عہد کی اجتماعی زندگی متحرک دکھائی دیتی ہے۔ یہاں واقعات کی زمانی ترتیب سے زیادہ اہمیت ان احساسات اور تعلقات کو حاصل ہے جو ان تجربات کے دوران تشکیل پائے۔اس اعتبار سے مصنف نے خط کو محض باہمی رابطے اور خیالات کے تبادلے کا وسیلہ بنانے کے بجائے انسانی تجربات کی تہذیبی و جذباتی دستاویز میں تبدیل کر دیا ہے۔

ان مکتوبات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ماضی کی بازیافت محض یادوں کی تکرار نہیں بلکہ گزرے ہوئے زمانے کے احساسات کو از سرِ نو زندہ کرنے کی تخلیقی کوشش ہے۔ مصنف اپنے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ خوش گوار لمحات، باہمی شگفتگی، تلخ تجربات، معمولی رنجشوں اور جذباتی پیچیدگیوں کو اس بے ساختگی سے بیان کرتے ہیں کہ قاری بھی ان تجربات کی داخلی فضا سے مانوس ہونے لگتا ہے۔یوں ذاتی یادداشت اجتماعی احساس کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور طالب علمی کے دور سے وابستہ تجربات ایک وسیع تر انسانی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔

کتاب کا ایک اہم موضوعاتی پہلو یہ ہے کہ مصنف نے تعلیمی زندگی کے ان گوشوں کو بھی اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے جنہیں عموماً ادبی مکتوبات میں خاطر خواہ جگہ نہیں ملتی۔ہاسٹل کی محدود معاشی صورتِ حال، دوستوں کا مل جل کر کھانا تیار کرنا، محبت کے ناکام تجربات، روزمرہ زندگی کے دلچسپ واقعات، تعلیمی مصروفیات کا دباؤ اور بعض رفاقتوں کا وقت کے ساتھ کمزور پڑ جانا، یہ تمام موضوعات کتاب کو زندگی کے حقیقی تجربات سے قریب کرتے ہیں۔ان واقعات کے بیان میں کہیں ظرافت کی لطافت نمایاں ہوتی ہے تو کہیں محرومی اور جدائی کا احساس قاری کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔اس طرح مصنف نے طالب علمی کی زندگی کو اس کی تمام تر رنگا رنگی، بے ساختگی اور داخلی پیچیدگیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس تصنیف کی انفرادیت اس امر میں بھی پوشیدہ ہے کہ اس میں دوستی کو محض ایک سماجی تعلق کے طور پر نہیں دیکھا گیا بلکہ اسے شخصیت کی تشکیل، فکری بالیدگی اور جذباتی تربیت کے ایک اہم وسیلے کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مصنف کے ہاں رفاقت کے یہ تجربات وقت گزرنے کے باوجود اپنی معنوی اہمیت برقرار رکھتے ہیں اور ماضی و حال کے درمیان ایک جذباتی رابطہ قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ مکتوبات ایک مخصوص تعلیمی دور کی روداد ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی تعلقات کی ناپائیداری، خلوص کی اہمیت اور یادداشت کی قوت کا اظہار بھی ہیں۔ مصنف اپنی تحریر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"ہم سب وہ لوگ تھے جو ہاسٹل کے اخراجات afford نہیں کر سکتے تھے۔ ہم اپنا اپنا آٹا گھر سے لے آتے، خود گوندھتے، خود روٹیاں پکاتے، خود سالن بناتے۔ یہ بڑی دلچسپ زندگی تھی۔"(19)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ اقتباس صرف غربت یا تنگی کا بیانیہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے اجتماعی حوصلے، خود انحصاری، اور دوستانہ اشتراک کی روح چھپی ہوئی ہے۔ یہ مظاہر اردو خطوط میں عموماً نظر نہیں آتے، جو ان مکتوبات کو ایک ادبی اور تہذیبی دستاویز کی حیثیت دیتے ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ "جو وہ لکھیں گے جواب میں " اردو مکتوب نگاری میں موضوعاتی جدت کا علمبر دار ہے۔ یہ کتاب ہمیں یاد دلاتی ہے کہ خط صرف مراسلہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی اظہار ہے جس میں محبت، وقت، دوستی، محرومی، اور زندگی کی اصل حقیقتیں رچی بسی ہوتی ہیں۔ مصنف نے دوستی کو محض ذاتی تعلق کے طور پر نہیں، بلکہ ادبی موضوع کے طور پر برتا ہے، جو اردو خطوط کی روایت میں ایک منفرد اضافہ ہے۔

- **فنی خوبی اور تخلیقی انداز:**

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں " کو محض خطوط کا مجموعہ کہنا اس کی تخلیقی جہات کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ ان کے ہاں مکتوب نگاری محض اطلاعاتی یا جذباتی تبادلہ خیال کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک ادبی اور فنی اظہار کا وسیلہ ہے۔ ہر خط میں مصنف نے اپنی شخصیت، جذبات، یادیں، اور زبان کی لذت کو اس طرح سمویا ہے کہ وہ ایک مکمل تخلیقی تجربہ بن جاتا ہے۔

- **ماضی کی بازیافت**

کتاب کے مکتوبات میں ماضی کا تذکرہ صرف یادوں کی فہرست نہیں، بلکہ ایک زندہ اور متحرک دنیا کا مرقع ہے۔ شعیب عتیق ماضی کو ایسے رنگ اور جذبے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ قاری کے دل و دماغ پر ایک فلم کی مانند چلنے لگتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہم ان دنوں میں سانس لیتے تھے جب وقت کا مطلب صرف کلاس، ہاسٹل، اور تمہاری ہنسی ہوا کرتا تھا۔"(20)

- **دوستیوں کی گہرائی:**

مصنف کے خطوط میں دوستی کا تصور محض سماجی رفاقت کا نام نہیں، بلکہ ایک روحانی و ذہنی ہم آہنگی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں دوستی ایک ایسی قوت ہے جو زندگی کی کٹھنائیوں کو سہل بنا دیتی ہے۔ شعیب عتیق نہ صرف دوستوں کو یاد کرتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ جڑے جذبات اور تجربات کو تخلیقی پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

"تمہارے بغیر چائے کا کپ بھی پھیکا لگتا ہے، اور سچ کہوں تو وہ ادھورے جملے جو ہم دونوں مل کر مکمل کرتے تھے، اب صرف ذہن میں گونجتے ہیں۔"(21)

ایسے جملے ان خطوط کو محض بیانیہ نہیں بلکہ ادبی تجربہ بنا دیتے ہیں۔

- **یادوں کی بصری قوت:**

شعیب عتیق کی تحریر کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ محض باتیں نہیں کرتے، بلکہ قاری کو منظر دکھاتے ہیں۔ ان کے بیانیے میں ایک بصری قوت (Visual Imagery) موجود ہے جو ہر یاد کو تصویری شکل عطا کرتی ہے۔ ان کے خطوط کے مناظر ایسے لگتے ہیں جیسے قاری خود اس فضا میں موجود ہو۔

"تحصیل چوک کا وہ چھپر ہوٹل، جہاں ہم صرف دو روٹیوں کے بہانے گھنٹوں بیٹھے رہتے، اب خواب میں بھی آئے تو دل بے چین ہو جاتا ہے۔"(22)

- **زبان کی مہارت:**

شعیب عتیق کی زبان نہ صرف سلیس اور رواں ہے بلکہ اس میں کلاسیکی چاشنی، جدید انداز، اور جذباتی عمق کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ وہ الفاظ کو صرف جملوں میں پرونے کا فن نہیں جانتے، بلکہ ان میں احساس کی روانی بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان کی زبان میں تخلیقی رچاؤ، محاوراتی چستی اور روزمرہ کی شگفتگی تینوں یکجا ہیں۔ شعیب عتیق خان کی مکتوب نگاری فنی لحاظ سے ایک مکمل ادبی تجربہ ہے۔ ان کے خطوط میں ماضی کی زندہ تصویریں، دوستی کی گہرائیاں، جذبات کی شدت اور زبان کی فنکارانہ چمک نمایاں ہے۔ یہی عناصر اس کتاب کو محض ایک یادداشت یا خطوط کا مجموعہ نہیں بلکہ اردو ادب کی مکتوبی روایت میں ایک تخلیقی اضافہ بنا دیتے ہیں۔ شعیب عتیق کے خطوط کو پڑھنا، دراصل ایک ایسی دنیا میں داخل ہونا ہے جہاں ہر لفظ ایک جذبہ ہے، اور ہر جملہ ایک کہانی۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

شخصی خاکوں کی خوبی:

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں "کا ایک نمایاں اور فنی طور پر قابلِ ذکر پہلو ان کے تحریر کردہ شخصی خاکے ہیں، جن میں انہوں نے اپنے ہم جماعت طلبا و طالبات اور اساتذہ کی شخصیتوں کو نہایت محبت، سچائی اور ہلکے پھلکے مزاح کے ساتھ اس طرح قلم بند کیا ہے کہ ہر کردار قاری کے ذہن میں زندہ و جاوید ہو جاتا ہے۔ شعیب کے خاکے نہ تو محض واقعاتی بیان ہیں، نہ ہی صرف جسمانی یا خارجی تفصیل پر اکتفا کرتے ہیں، بلکہ وہ شخصیت کے مزاج، رویے، اور باطنی کیفیتوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ خوبی ہے جو ان کے خاکوں کو صرف یادداشت یا رپورتاژ سے بلند کر کے ادبی سطح پر ایک فنی خاکہ بنا دیتی ہے۔ مصنف نے اپنے تمام کرداروں کے ساتھ جو محبت اور اپنائیت کا رویہ روا رکھا ہے، وہ قاری کو بھی ان سے مانوس کر دیتا ہے۔ ان کے خاکے کسی طنزیہ یا تنقیدی لہجے میں نہیں بلکہ قدر شناسی اور دلنوازی کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مصنف کا اسلوب بتاتا ہے کہ وہ ان کرداروں سے محض وابستہ نہیں بلکہ گہری سطح پر متاثر بھی رہے ہیں۔ شعیب کے خاکوں میں موجود مزاح کبھی بھی تلخی یا استہزا کا پہلو نہیں اپناتا بلکہ وہ ایک نرم اور شگفتہ فضا قائم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

"سب سے نحیف و نزار سید احمد فاروق مشہدی (مرحوم) تھے، تو اعتدال سے کہیں بھاری بھر کم راؤ محمد تسنیم"(22)

یہ جملہ صرف ظاہری جسمانی تضاد بیان نہیں کر رہا بلکہ ان دونوں شخصیات کی منفرد ساخت اور رویوں کو بھی طنز و مزاح کے بغیر محبت آمیز حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔

تصویری اظہار اور تاثراتی عمق:

مصنف اپنے خاکوں میں تصویری قوت سے بھرپور کام لیتے ہیں۔ وہ صرف لفظوں سے شخصیت نہیں بناتے بلکہ حرکات، اطوار، اور چھوٹے چھوٹے جزئیات کے ذریعے کرداروں کو مجسم کر دیتے ہیں۔ یہ خوبی ان کے نثری اسلوب کی بصری تاثیر کو نمایاں کرتی ہے۔ شعیب عتیق خان کے شخصی خاکے نہ صرف ان کے یادگار تعلیمی دور کے اہم اجزاء ہیں بلکہ وہ اردو ادب کی خاکہ نگاری کی روایت میں ایک خالص، شفاف اور فنی طور پر بھرپور اضافہ بھی ہیں۔ ان میں مزاح کی خوشبو، محبت کا رنگ، اور حقیقت نگاری کا نکھار اس طرح گھلا ملا ہے کہ ہر خاکہ اپنے اندر ایک مختصر افسانہ یا کردار نگاری کی مکمل مثال بن جاتا ہے۔ یہی ان خاکوں کی سب سے بڑی فنی خوبی ہے کہ وہ ایک طالبعلمانہ دور کی تصویری جھلک ہونے کے باوجود ادبی حیثیت رکھتے ہیں۔

خطوط کا جذباتی اور فکری پس منظر:

کتاب میں شامل خطوط صرف جذباتی نہیں بلکہ فکری مکالمے کا ذریعہ بھی ہیں۔ ان میں علم، ادب، زندگی کے تجربات، اور نظریاتی مکالمہ موجود ہے جو ان خطوط کو سطحی جذبات سے بلند کر کے فکری تحریر بنا دیتا ہے۔

خطوط کا جذباتی اور فکری پس منظر:

ڈاکٹر شعیب عتیق خان کی کتاب "جو وہ لکھیں گے جواب میں " محض خطوط کا ایک جذباتی مجموعہ نہیں بلکہ ایک فکری اور ادبی مکالمے کی فضا بھی قائم کرتی ہے۔ ان خطوط میں موجود جذباتی شدت اپنی جگہ اہم ہے، لیکن ان کے پس منظر میں جو علمی، نظریاتی اور وجودی سوالات ہیں، وہ ان مکتوبات کو عام جذباتی اظہار سے بلند کر کے فکری تحریر کی حیثیت عطا کرتے ہیں۔

علم و ادب سے وابستگی:

کتاب میں شامل خطوط میں بارہا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والے صرف اپنی یادوں یا جذبات کی ترسیل نہیں کر رہے بلکہ وہ علم و ادب، کتابوں، فلسفیانہ افکار، اور فکری مباحث کو ایک دوسرے سے شیئر کر رہے ہیں۔ یوں یہ خطوط ایک طرح کا بین المتن مکالمہ (intertextual dialogue) بن جاتے ہیں، جو طالب علمی کے دور کی فکری بالیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مثلاً ایک مقام پر شعیب عتیق نہایت سادگی سے مگر گہرائی کے ساتھ یاد دلاتے ہیں:

"پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی عشق کا بارِ گراں اٹھایا جا سکتا ہے۔"(23)

یہ جملہ فقط ایک رومانوی اظہار نہیں بلکہ صوفیانہ اور فلسفیانہ حوالہ بھی رکھتا ہے، جو اس دور کے فکری رجحان اور جذبات کی تہہ داری کو ظاہر کرتا ہے۔

نظریاتی مکالمہ:

خطوط میں نہ صرف جذبات کی ترسیل ہے بلکہ وقت، زندگی، تعلق، اور تقدیر جیسے موضوعات پر غور و فکر بھی شامل ہے۔ یوں یہ خطوط ایک ایسی تحریری شکل اختیار کر لیتے ہیں جس میں ذات اور کائنات کے تعلق پر سوالات اٹھائے جاتے ہیں، اور مکالمے کے ذریعے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

زندگی کے تجربات کا عکس:

شعیب عتیق کے خطوط میں طالب علمی سے عملی زندگی میں قدم رکھنے کے مرحلے تک کے تجربات کا عکس ملتا ہے، جس میں ناکامی، امید، تنہائی، جدائی، اور قربت کے تمام رنگ موجود ہیں۔ یہ تجربات شخصی نوعیت کے ہوتے ہوئے بھی اجتماعی شعور کو متاثر کرتے ہیں اور ایک دور کی نمائندگی بن جاتے ہیں۔

سطحی جذبات سے بلند تر:

ان خطوط کی سب سے اہم خوبی یہی ہے کہ یہ محض رومانوی یا دوستانہ جذبات کے اظہار تک محدود نہیں، بلکہ ان میں فکری بصیرت، نفسیاتی گہرائی، اور ادبی شعور موجود ہے۔ یہی پہلو ان مکتوبات کو اردو مکتوب نگاری کی اعلیٰ مثالوں میں شامل کر دیتا ہے۔ شعیب عتیق خان کے خطوط اپنے اندر جذباتی شدت اور فکری گہرائی کا حسین امتزاج رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف ایک عہد کی کہانی سناتے ہیں بلکہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہی فکری جہت ان خطوط کو محض یادداشتوں کا ذخیرہ نہیں بلکہ ادبی و فکری سرمایہ بنا دیتی ہے، جو اردو خطوط کی روایت میں ایک منفرد اضافہ ہے۔

☆حوالہ جات

1۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص7

2۔ ایضاً، ص17

3۔ ایضاً، ص19

4۔ ایضاً، ص27

5۔ زین علی، خواب سرکتے لمحے، لاہور: سخن زار پبلیکیشنز، 2023ء، ص18

6۔ ایضاً، ص23

7۔ ماہ نور فاطمہ، یاد کی پرتوں میں، کراچی: نورین پبلشرز، 2021ء، ص56

8۔ ایضاً، ص76

9۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص49

10۔ رضوان خالد، خامشی کے سائے، اسلام آباد: قلم دوست، 2019ء، ص12

11۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص53

12۔ ایضاً، ص59

13۔ ایضاً، ص63

14۔ ایضاً، ص69

15۔ سعدیہ مجید، لفظوں کی تلاش میں، لاہور: ادبی مکالمہ، 2020ء، ص65

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

16۔ ایضاً، ص68

17۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص58

18۔ ایضاً، ص59

19۔ ایضاً، ص64

20۔ ایضاً، ص68

21۔ تیمور حسن، دھوپ کے کٹہرے میں، راولپنڈی: نئی تحریر پبلیکیشنز، 2018ء، ص33

22۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص74

23۔ شعیب عتیق، ڈاکٹر، جو وہ لکھیں گے جواب میں، لاہور: بھٹو پریس، 2024ء، ص78